ڈاکٹر مزمل حسین
پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجوئٹ کالج
کوٹ سلطان، لیہ

فکر فرید اور تہذیبوں کا تصادم:
ایک تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

CLASH OF CIVILIZATIONS AND CONCEPT OF FAREED: AN ANALYTICAL ANALYSIS

Abstract

The ideal maxim of the "world" being a global village is faced with the grim threat of flying to bits due to the excessively materialistic approach of the modern man. Since man has fallen a prey to the menace of the loaves and fishes, one hardly comes across a precedence of humanity, integrity, morality and solidarity among the petty pursuits taken up by the modern man. This decline has led us to the dread of the clash of civilizations. In the wake of the given dismal situation, the only possible remedy to cure the diseased civilization is to resort to 'mysticism'. The only way to avert the impending threat of the clash of civilizations is to incorporate the teaching and the beliefs of the mysticism among the masses in the literal sense of the word. Though, every single mystic preaches love and harmony, yet Khawja Ghulam Fareed stands head and shoulders above the rest owing to his rich intellect and poetic grandeur. Thus the intellect of Fareed has the potential to serve as an antidote against the malady of the clash of civilizations. The present study explores the instances of solidarity in the intellect of Fareed to serve as a solution to the grave problem of the clash of civilizations.

سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلم دنیا زمانے میں ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئی ہے۔ نوے کی دہائی میں یہ باتیں سامنے آنے لگی تھیں کہ ترقی یافتہ دنیا جسے مہذب دنیا کا نام بھی دیا جاتا ہے کو متحد رکھنے کے لیے شاید اب کسی بڑے عفریت کی ضرورت ہے(ا)۔ روس کے بکھراؤ اور مدمقابل سپر پاور کی معدومیت نے یہ بڑا عفریت مذہبی جنونیت کی صورت میں امریکہ اور اہل یورپ کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔

جب تک دنیا میں دو عالمی طاقتوں کے زیر اثر دو واضح بلاک رہے تو تضاد سیاست اور معیشت تک محدود رہا۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ بلاک نے سوشلسٹ بلاک کو مات دینے کے لیے اپنے بعض اتحادیوں کو مذہب کے گھن چکر میں پھنسائے رکھا اور انہیں جمہوریت اور لبرل ازم سے کوسوں دور رکھا بطور خاص اکثر اسلامی ریاستیں اپنے اپنے عوام کو مذہب کے تحفظ کے لیے جہاد کے درس دیتی رہیں اور تعلیمی اداروں اور میڈیا کو ایک خاص طرح کے مائنڈ سیٹ کی تشکیل دینے میں مگن رکھا اور جونہی کولڈ وار کا خاتمہ ہوا تو یہ کمزور اور اپنی اپنی رائے سے عاری ریاستیں بڑے مخمصے کا شکار ہو گئیں(2)، جہاں ترقی پسند لیفٹ کے نظریات رکھنے والے ممالک کے لوگ یکلخت بے سایہ ہونے لگے اور خود کو بے یار و مددگار اور تنہا محسوس کرنے لگے وہاں خفیہ فنڈز سے چلنے والی مذہبی تنظیمیں بھی سرپرستی سے محروم اور معاشی بحرانوں کا شکار ہونے لگیں۔ایک عرصے تک مذہبی جنونیت کو سچ سمجھنے والے کئی طبقات اور گروہ یہ باور کرنے لگے کہ ان کے دکھوں کی ذمہ دار مہذب دنیا ہے اور اس جانب کبھی توجہ ہی نہ دی کہ ان کا تنہا اور غریب رہ جانے کی وجہ ان کی ریاستی پالیسیاں اور ذہنی پس ماندگی ہے، انہوں نے روح عصر کو سمجھے بغیر ہی اپنا سفر جاری رکھا یہ تمام عقیدے کی غلط تشریح کی پیداوار ہیں۔ اسلام جو سلامتی سے عبارت ہے اس کا حالیہ جنونیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مغرب والوں نے اس تضاد کو مزید بڑھانے کے لیے "تہذیبوں کا ٹکراؤ" کا تصور پیش کر کے مسلم اور نان مسلم ورلڈ کو دو الگ الگ خانوں میں منقسم کر کے رکھ دیا ہے۔(3)

اس تلخ عالمی منظر نامے میں مسلم دنیا کو ایک نئے بیانیے کی ضرورت ہے کچھ بین الاقوامی سیاسی چالیں اور کچھ عقیدے کی غلط تشریح نے ہماری دنیا کی جو شناخت متعارف کروائی ہے وہ جنونیت، انتہا پسندی، عدم برداشت، تشدد، تعصب، کام چوری، کاہلی اور مفاد پرستی کے حوالے سے پوری دنیا میں مسلمانوں کا یہی پورٹریٹ پینٹ ہو رہا ہے۔ اور پاکستان میں محرومیوں اور رد کرنے کی پالیسیوں کے بموجب بطور خاص سرائیکی وسیب پر یہ انگلی اٹھائی جانے لگی ہے کہ دہشت گردی کی بڑی نرسری یہیں تیار ہو رہی ہے۔(4) اسی طرح کے ماحول میں اب ضرورت محسوس ہونے لگی ہے اور سوال پیدا ہوا ہے کہ مسلم دنیا کو اس عفریت سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک عجیب مخمصہ ہے جو برصغیر پاک و ہند میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے فوری بعد ظاہر ہونے لگا تھا اور جزیرۃ العرب میں طویل شخصی حکومتوں نے اندر ہی اندر ایک بے چینی اور افراتفری کے بیج کو نمو دینے کے حالات پیدا کیے رکھے۔1857ء کے بعد تو یہاں عجیب طرح کی ذہنی کشمکش پیدا ہونے لگی تھی اور غالب جیسا شاعر چلا اٹھا تھا کہ:

"ایمان" مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے "کفر"
"کعبہ" میرے پیچھے ہے "کلیسا" مرے آگے (5)

اسی مخمصے اور افراتفری نے ایک جگہ طالبان اور دوسری جگہ داعش جیسی یلغار کو جنم دیا اور ستم ظریفی دیکھئے کہ ان یلغاروں کی سفاکیت کے خلاف بننے والا مسلم ممالک کا اتحاد بھی ایک اور مخمصے کو ظاہر کر رہا ہے، کہیں یہ مسلم دنیا کے خلاف عالمی سازش تو نہیں یا پھر اس دنیا کی اپنی کج رویوں اور غفلتوں کا منطقی انجام ہے؟ دنیا میں کہیں بھی عیسائی، بدھ، یہودی، ہندو یا کسی اور مذہب کے نام پر نام نہاد دنیا کا حوالہ ہی نہیں ملتا سوائے ہم مسلمانوں کے۔ اس لیے بعض اوقات تو یہ تہذیبوں کا تصادم اہل اسلام کے خلاف متحد ہونے کا سبب لگتا ہے کیونکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد فرسٹ ورلڈ کو متحد کرنے کا کوئی اور ہتھیار بچا ہی نہیں ورنہ تو دنیا گلوبل ویلج کے نام پر سکڑ کر رہ گئی ہے اور دنیا کا یہ اختصار نا اہل اور نکمی اقوام کے لیے محرومیوں کی پختہ بنیاد ہے، ایسے ہی مسلمانوں کو اپنے رویوں میں اساسی تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ رویہ صوفیانہ طرز احساس ہی سے بدلا جا سکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد: آئی ایم ایف کے سابق مینجنگ ڈائریکٹر H.J. Witte Veen کی ایک کتاب کا آج کل بہت چرچا ہے۔ "Sufisim in Action" جس میں موجود ورلڈ آرڈر اور تہذیبی کشمکش کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ دنیا کو تحمل اور رواداری کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت صوفی کی تعلیمات اور عمل ہی پوری کر سکتا ہے۔ اسی طرح جس گلوبلائزیشن کا خوف ہم پر مسلط کیا گیا اس میں بھی ہر انسان دوست اس عالمی گائوں میں سبزے، روشنی، پانی اور پرندے کی موجودگی کو جس امید کے سہارے یقینی بنانا چاہتا ہے وہ صوفی کے تخلیقی عمل سے اخذ ہوتی ہے۔ آگے چل کر نکلسن کے حوالے سے کہتے ہیں: " تصوف اس حالت کا نام ہے جس میں تمام حسیں ایک ہی حس میں متحد ہو جاتی ہیں[۶] " ملا اور صوفی میں تو فکر اور کردار کا بہت فاصلہ ہے مگر شریعت اور تصوف میں تضاد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہم صوفیانہ رویے ہی سے خود کو مہذب دنیا کا حصہ بنا سکتے ہیں۔ اسے عقیدے اور مذہبی جنونیت کے ہتھیار سے ہرگز نہیں۔ کیونکہ تصوف کی بنیاد احترام آدمیت اور باہمی پیار و محبت پر ہے جبکہ عقیدہ جس کی تشریح ہی من پسند اور نظریہ ضرورت پر کی گئی ہو وہ تقسیم اور منافرت کو جنم دے گا۔ عبدالجمیل خان نے اپنی کتاب The politics of language, Urdu/ Hindi, An artificial "Divide" میں نہایت مناسب بات کہی ہے کہ زبان اور کلچر وحدت کا درس دیتے ہیں اور آپس میں جوڑ کر رکھنے والے حرکیاتی اور کلیت پسند ہیں جبکہ مذاہب عموماً تقسیم پسند اور فرقوں میں قابل تقسیم ہوتے ہیں ہے۔ اس لیے زبان، کلچر اور تہذیب کے مباحث فنون لطیفہ کے ملبوس میں فروغ پیدا ہوتے ہیں تو تہذیبی جرٔت اور احترام انسانیت کا ماحول جنم لیتا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ کا ظہور برصغیر پاک و ہند کے اس دور میں ہوا جب کالونیل عہد یہاں آخری سانسیں لے رہا تھا، انیسویں صدی کا نصف آخر آنے والی تاریخ کا تعین کرنے لگا تھا۔ بیسویں صدی کا نصف اول تاریخ برصغیر پاک و ہند کے لیے نہایت اہم ثابت ہوا، ویسے انہی پانچ

دہائیوں میں دو عالمی جنگیں ہوئیں اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ اب برطانوی سامراج کی طبعی عمر پوری ہو چکی ہے اور دنیا دو متضاد فکر کو لیے الگ الگ حصوں میں بٹ کر آگے کی طرف سفر کرنے لگی اور دونوں بلاکس اپنے اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد حاصل کر کے نئے سماجی اور سیاسی معاہدوں میں مصروف ہو گئے ایسے میں پیدا ہونے والے خلا کے لیے محروم، اداس اور بے یار و مددگار دنیا کے لیے نئے افکار کی ضرورت بہر حال موجود ہے مگر نئی اور ترقی پسندانہ لبرل سوچ سے عاری قیادتوں نے تشدد اور انتہا پسندی کا خاتمہ طاقت سے کرنے کا ذریعہ اختیار کیا ہے جبکہ ہمارے پاس احترام آدمیت سے عبارت صوفیانہ افکار موجود ہیں اور دنیا اب اس حقیقت کو جاننے لگی ہے کہ اکانومی کے مقابلے میں اقدار مقدم ہوں تو معاشرے بقا آتے ہیں۔ اگر معیشت اور بلند عمارات قوموں کی شناخت ہوتیں دبئی اور ابو ظہبی اس وقت سپر پاور کہلانے کی حقدار ٹھہرتیں۔ اس حوالے سے عکسی مفتی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

> ''اب تو اکانومی کا ان داتا ورلڈ بنک بھی اس بات کو سمجھ چکا ہے کہ معاشی ترقی کے لیے معاشرتی اقدار اور ثقافت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بنک نے کئی ایک Enthropologist کی خدمات حاصل کیں ہیں۔ رقم کتنی بھی قرض میں دے دی جائے وہ سب رائیگاں ہو جاتی ہے۔ اگر ثقافتی اقدار اس ترقی کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوں معاشی ترقی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ثقافتی اقدار اس سے ہم آہنگ ہوں۔ مادی سائنسوں کو دور تھا۔ چونکہ اب تک مادی دنیا کو سمجھنا اور قدرت پر غلبہ حاصل کرنا، قدرتی عوامل کو فتح کرنا بھی انسان کی ترجیح رہی ہے۔ لیکن مستقبل کی سائنس اپنا رخ خود انسان کی طرف موڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ تمدن، ثقافت اور معاشرتی علوم مستقبل کے علوم ہیں۔'' (8)

آج انسان جس مقام پر آن ٹھہرا ہے وہ تہذیبی کشمکش کا مقام ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تیرویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک کا طویل عہد ایسی ہی کشمکش سے عبارت تھا۔ اس وقت انسان کے قلبی سکون اور تہذیب کے تحفظ کے لیے یہاں نامور صوفیا اور ان کی صوفیانہ شاعری نے جنم لیا۔ آج ایک بار پھر تہذیب و تمدن کو صوفیانہ طرز احساس کی ضرورت آن پڑی ہے۔ اس لیے خواجہ فرید کہتے ہیں:

نہ ماہی نہ منجھیاں ڈسدیاں　　　اکھیاں وسدیاں، دلڑیاں پھسلدیاں

جندڑی تھئی بھا بھیلی وو یار (9)

اس تناظر میں خواجہ صاحب جدید ترین صوفی شاعر ہیں جنھوں نے دکھوں، نفرتوں اور تعصبات سے ہٹ کر اپنے عہد کی دنیا کو مشاہدہ کر لیا تھا۔ اسے شانت، پاکیزہ اور پر امن بنانے کے لیے روا داری کا درس دیا تھا اور اس دعا کے طلب گار ہوئے تھے۔

عالی، ادنی، جو جگ جیوے　　　　میں وانگے بئی کئی نہ تھیوے
ڈکھڑی، وانڈھی، ویلھی وویار (10)

[دنیا میں جو بھی ادنی عالی ہے، جیتا رہے، خدا کرے، مجھ جیسی کوئی اور نہ ہو، دکھی۔ الگ تھلگ، بیکار اے دوست]

خواجہ سائیں آج کے نام نہاد تہذیبی تصادمات میں ایک صلح کا راستہ دکھاتے ہیں وہ تو سری کرشن جی اور رام چند جی کو بھی پاکیزہ ہستیوں کے ذیل میں دیکھتے ہیں اور ویدوں کو بھی نظر استحسان سے دیکھتے ہیں۔ '' مقابیس المجالس'' میں دلچسپ پرائے میں ایسے واقعات، مکالمے اور تشریحات پیش کرتے ہیں جن کا تعلق عالمگیر محبت، رواداری، جذب مستی اور پاکیزہ باطنی کیفیات سے ہے، سرائیکی زبان کے متوالے اس شاعر نے اردو زبان اور دیگر زبانوں میں مہارت حاصل کر کے ان کا اعتراف کیا جو اس بات کا غماز ہے کہ آپؒ نفرت کے رویوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

نہ کر بے پروائی و ویار
آ مل سانول مائی و ویار
[اے دوست بے پروائی نہ، سانولے محبوب آ کر مل] (11)
اساں سو بدمست قلندر ہوں
کڈیں مسجد ہوں کڈیں مندر ہوں
[ہم خاص، خالص سرشار قلندر ہیں، کبھی مسجد اور کبھی مندر میں ہیں] (12)

خواجہ سئیں تہذیب انسانی میں تمام تضادات کو یکسر رد کرتے ہیں اور ہر عقیدے کا اعتراف کرتے ہیں:

تینوں مسجد، مندر، دیر کہوں
تینوں پوتھی تے قرآن کہوں (13)
[تجھے مسجد، مندر، دیر کہوں۔ تجھے پوتھی اور قرآن کہوں]
تسبیح کہوں، زنار کہوں
تینوں کفر کہوں، ایمان کہوں (14)
[تسبیح کہوں زنار کہوں تجھے کفر کہوں، ایمان کہوں]
دیر، کشت، دوارہ، مندر
مسجد، منبر وسریا (15)

[بت خانہ، آتش کدہ، دوارہ، مندر، مسجد، منبر سب بھولے]

ہک دے سانگے ہک دی سوں ہے

خیر بھلی، شر وسریا (16)

[ایک کی خاطر ایک کی قسم ہے، خیر بھولی شر، بھولا]

ہر ویلھے ''ہر'' یاد اسانوں

ہور امانہر وسریا (17)

[ہر وقت ''محبوب'' ہی یاد ہے دیگر تمام فروعی باتیں ہم بھول چکے ہیں]

ویساں کیچ فریدؒ نہ مڑساں

سنج، بردا ڈر وسریا (18)

[فرید! کیچ جانے سے نہیں مڑوں گی، سنسان ویرانے کا ڈر بھولا]

اس طرح کے لاتعداد اشعار خواجہ فریدؒ کے کلام میں جلوہ افروز ہیں جن سے یکسانیت، برابری اور عالمگیریت کا تاثر اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ ان اشعار میں اتنی تخلیقی توانائی موجود ہے کہ صرف سرائیکی وسیب نہیں بلکہ پورا ملک ان کے کلام میں اپنی اجتماعی شخصیت کی پہچان کرا سکتا ہے۔ ثقافتی اور تہذیبی حوالے اور تخلیقی رنگ جب تک قوموں کی شناخت کے حوالے رہتے ہیں تب تک قومیں باوقار اور پرامن رہتی ہیں۔ ہمارے ہاں جس تخلیقیت اور اجتماعیت کا خلا پیدا ہوا ہے وہ بنیادی طور پر نظریاتی بانجھ پن کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہر دور کی مہذب دینا ہمیشہ اپنے تہذیبی ورثے سے جڑی ہوتی ہے ہمارے ہاں المیہ یہ ہوا ہے کہ ہم نے کبھی اپنے تہذیبی ورثے کو اپنے من میں سمویا ہی نہیں ۱۹، خواجہ سئیں یا ان کے قبیل کی دیگر شخصیات کے ہاں جگہ جگہ تحفظ اور پیار کے درس موجود ہیں مگر ہم نے کسی اور جہاں میں اپنی پناہ ڈھونڈی ہے۔ آج تہذیبوں کے تصادم کے فلسفے کے پیچھے جو عفریت چھپا بیٹھا ہے اس کا فکر فریدؒ سے قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

خواجہ فریدؒ اپنی سماجی اور معاشی حیثیت میں ایک شہزادے تھے پھر بھی بار بار روہی کے لق و دق صحرا کی طرف نکل جایا کرتے رہتے تھے وسوں کی سہولتوں کو خیر باد کہہ کر ٹف ماحول میں جانا آسان نہ تھا مگر وہ دنیا کو ایک پیغام دینا چاہ رہے تھے کہ مذاہب سے جڑت سماج کے لیے Binding Force ثابت نہیں ہو گی۔ مگر اپنی تہذیب، ثقافت اور دھرتی سے وابستگی انسانی حوالوں کو نئے رنگ اور نئے انگ عطا کریں گے۔ چولستانی نباتات اور اس کی جنگلی حیات، اس کی فضا اور سروں سے عبادت اس کی تیز ہوائیں دراصل پیار پریت کے نغمے ہیں جو تہذیبی تصادم کو رد کرتے ہیں، اس لیے وہ اپنے من میں مظاہر فطرت

کو جذب کر کے عالمگیر محبت کے پرچارک دکھائی دیتے ہیں۔

ملک ملھیر دی نازو چالی   یولی لانڑی دا رتبہ عالی
کیسر، مشک، عنبیر تے   ٹوکاں کردی دھوڑی والی (20)

[ملک ملھیر کے طور طریقے ناز و انداز والے ہیں۔ وہاں کی بوٹی اور لانڑی کا تو اعلیٰ مقام ہے وہاں کی ریت، غبار تو زعفران، مشک اور عنبر بیر پھبتیاں کستے ہیں]

آج وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا کو تقسیم کرنے کی وجہ عقیدے کی وہ غلط تشریح ہے جس نے زمینی فاصلے کم ہونے کے باوجود انسانوں کو تہذیبوں کے تصادم کا خوف دلا کر راتوں کا سکون چرا لیا ہے ایسے میں فکر فریدؒ کی طرف رجوع کرنے کے امکانات بڑھنے لگے ہیں۔ خواجہ سئیں جگہ جگہ فطرت سے ہمکلام ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ فطرت کے ساتھ یہی دوستی انہیں انسانوں کے قریب کرتی ہے، ان کے کلام میں مسجد، دیر، کشت، دوارہ، مندر: تمام محبت کے استعارے ہیں، ان کی فکر آفتاب عالم تاب کی مانند ہے جس سے ایک ہی وقت میں تمام مذاہب اور عقائد کے لوگوں حظ اٹھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ادب کا مخاطب انسان کا باطن ہوتا ہے اور باطن حساس، پاکیزہ اور لطیف ہے یہ لطافت اور حساسیت نفرت اور تعصب سے آلودہ ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان ناک کی سیدھ میں دیکھنے لگتا ہے اور اسے اپنے سوا سب برا اور گندا دکھائی دینے لگتا ہے تو مسائل اور الجھنیں بڑھنے لگی ہیں، یہی الجھنیں عدم برداشت اور انتہا پسندی سے پیدا ہوئیں اگر آج کے انسان نے خود کو ان الائشوں سے محفوظ کرنا ہے تو انہیں فکر فرید کے صوفیانہ طرز احساس کی چھائوں میں آکر سستانا ہوگا، نہیں تو روز بروز ٹکرائو اور تصادم کے خطرات لاحق رہیں گے۔

معمور خفی دے اندر!!!   ہے گھر میرا سکھ مندر
اتھ ہر جنسوں ملن سوغاتاں   جتھ بحر محیط دا بندر (21)

مراد یہ ہے کہ تہذیبوں کے تصادم کے گیت الاپنا اس وقت زیادہ آسان ہو جاتا ہے جب شاطر اور چالاک طبقے اور سوفسطائی قسم کے دانشور عقیدے کی غلط مگر من پسند تشریح کر کے انسانوں کو آپس میں بانٹنے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں۔ ایسے میں متصوفانہ افکار بطور خاص خواجہ غلام فریدؒ جیسے صوفی کی فکر کا پھیلائو انسانوں میں Binding Force کا کام کرے گی کیونکہ خواجہ سئیں نے اپنے صوفیانہ طرز احساس کو زمین اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ ملا کر ایک عالمگیر اور لازوال محبت کی تلقین کی ہے۔ دھرتی سے جڑت انسانوں کو قریب کرتی ہے اور یہ رویہ تعصب اور پست ذہنیت کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کے اس عہد میں نہ صرف ہمیں بلکہ نفرت اور خوف میں لتھڑی اس پوری کائنات کو ایسی ہی فکر کی ضرورت ہے جو احترام آدمیت کو مستحکم بنیاد فراہم کرے گی۔

مآخذ

1. مزمل حسین، ڈاکٹر، ہماری نجات تصوف میں ہے۔ مشمولہ، نثریات، چوک اعظم: آرٹ لینڈ 2015) ص 101۔
2. ایضاً ص 103۔
3. پروفیسر نواز صدیقی، تہذیبوں کی کشمکش اور پاکستان، روزنامہ داور، لیہ 21 جنوری 2013۔
4. ایضاً۔
5. غالب، اسد اللہ خان، دیوان غالب (لاہور: مکتبہ جمال، 2010) ص 351۔
6. انوار احمد، ڈاکٹر، فکر فرید کا عصری حوالہ، مشمولہ مضمون، نخلستان ادب، ادبی مجلہ، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور، 2006ء، ص 28۔
7. مزمل حسین، ڈاکٹر، کلام فرید ماں دھرتی سے محبت کی ایک مثال، روزنامہ خبریں، ملتان 25 مارچ 2015ء۔
8. عکسی مفتی، پاکستانی ثقافت، (لاہور: الفیصل پبلشرز، 2014ء) ص 26۔
9. غلام فریدؒ، خواجہ، دیوان فرید (با تحقیق) مجاہد جتوئی، مرتبہ؛ (رحیم یار خان: سرکار راز تاج دار لائبریری 2014ء) ص 46۔
10. ایضاً، ص 46۔
11. ایضاً، ص 55۔
12. ایضاً، ص 88۔
13. ایضاً، ص 91۔
14. ایضاً، ص 91۔
15. ایضاً، ص 60۔
16. ایضاً، ص 60۔
17. ایضاً، ص 60۔
18. ایضاً، ص 60۔
19. مزمل حسین، ڈاکٹر، نثریات، ص 103۔
20. ایضاً، ص 543۔
21. ایضاً، ص 350۔